ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS
CC BY NC

اُسامہ ارشاد
ایم فل اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سیدہ مصباح رضوی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

رسالہ ماہ نو میں (۱۹۹۱تا۲۰۰۰) ترجمہ شدہ سندھی افسانوں کا موضوعاتی جائزہ

Usama Irshad
MPhil Urdu, GC University Lahore.
Dr. Syeda Misbah Rizvi
Associate Professor, Urdu Department, GC University Lahore.

Thematic(Subjective) review of translated Sindhi short stories published in the magazine Mah-e-Nau (1991-2000)

This article has conducted a thematic study of Sindhi short stories published in the magazine Mah-e-Nau from 1991 to 2000. This helps in understanding modern Sindhi literature and Sindhi culture in depth. A brief introduction to Mah-e-Nau is given. The article reviews a total of 12 Sindhi short stories. The authors of which include important names like Amar Jalil, Noor-ul-Huda Shah, Qazi Khadim and Shaukat Hussain Shoro. These short stories cover topics like contemporary consciousness, the ravages of war, existentialism, greed and the difficulties faced in life. These stories reflect human struggle, social evils and the psychological effects of modernism.

Key Words: *Maah E Nau, Sindhi, Urdu, Short Stories, Sindhi Literature, Sindhi Culture, Modernism, Afsana, Jadediyat, Tarajum, Translation.*

جوں جوں دنیا ترقی کی منازل طے کرتی جا رہی ہے علوم و فنون بھی زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ جس میں ترجمے نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں علاقائی اور بین الاقوامی ادب تک باآسانی رسائی حاصل ہے۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کی تہذیب و ثقافت کو جان سکتے ہیں۔ مقامی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46
ماخذ تحقیقی مجلہ

اور بین الاقوامی زبانوں میں لکھے جانے والے ادب سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔لوک ادب کا لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔طب اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھا جاسکتا ہے۔مختصر یہ کہ ترجمہ دنیا میں فاصلے مٹانے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔جیلانی کامران لکھتے ہیں:

"ترجمہ اصل میں دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے مابین پل کا کام دیتا ہے۔ جس کے ذریعے خیالات اور تصورات ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی جانب جاتے ہیں" [1]

ترجمہ مختلف زبانوں سے آشنائی حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کی ضرورت ہر دور میں ہی محسوس کی گئی۔ دیگر علوم کی طرح ادب میں بھی ترجمہ نگاری کی ضرورت ناگزیر ہے۔اسی ضرورت کے پیشِ نظر مختلف رسائل و جرائد عالمی و علاقائی ادب کے تراجم شائع کر کے اپنا اپنا حصہ ڈالتے رہے ہیں۔اس حوالے سے ایک اہم نام رسالہ "ماہ نو" کا بھی ہے۔ماہ نو کا آغاز ۱۹۴۸ میں ہوا اور سید وقار عظیم اس کے پہلے مدیر مقرر ہوئے۔یہ "ماہ نو" کا ادبی دنیا میں پہلا قدم تھا۔سید وقار عظیم کے بعد مختصر عرصہ کے لیے حسن عسکری نے بھی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔یوں ادارت کے لیے راہ ہموار ہوگئی اور آنے والے مدیران نے اس راہ پر چلتے ہوئے ماہ نو ادبی دنیا میں منفرد مقام دلانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ماہ نو میں ترجمہ کے حوالے سے ایک گوشہ مخصوص کر دیا گیا۔اس گوشے میں عالمی تراجم کے علاوہ علاقائی تراجم کو بھی شامل کیا گیا۔علاقائی تراجم کی مدد سے ملکی سطح پر ادبی ہم آہنگی کے علاوہ ادباء اور شعراء کے نظریات، علاقائی تہذیب و ثقافت اور سیاسی و سماجی معلومات کی ترسیل بھی ممکن ہوئی۔ان علاقائی زبانوں میں سندھی زبان کا نام سرِفہرست ہے۔

۱۹۹۱ سے ۲۰۱۰ تک اس رسالے میں ۱۲ سندھی افسانوں کا ترجمہ کیا گیا۔ مصنفین میں امر جلیل کے ۳، نور الہدیٰ شاہ کے ۲، شوکت حسین شورو کے ۲، قاضی خادم کے ۲، علی بابا، منظور کھوسو اور کلیم لاشاری کے ایک، ایک افسانے کا اُردو ترجمہ کیا گیا۔

امر جلیل کا اصل نام قاضی عبدالجلیل ہے۔وہ معروف کہانی نویس اور ڈراما نگار ہیں۔امر جلیل کا شمار اہم سندھی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔اُن کا پہلا افسانہ "اروڑ کا مست" کے عنوان سے ترجمہ کیا گیا ہے۔جس کے مترجم سراج چنا ہیں۔اس کہانی میں ایک تلخ حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے عبدالرحمان نامی ڈاکو جو اپنے گم شدہ دوست عارف ماچھی کی تلاش میں ہے وہ اللہ بخش مست کی درگاہ پر اپنے لاپتہ دوست کی تلاش میں جاتا ہے۔اللہ بخش مست اُسے

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46
ماخذ تحقیقی مجلہ

بتاتا ہے کہ تیرا دوست مر چکا ہے۔ اُس کی باتوں سے عبدالرحمان کو کچھ شک ہوتا ہے اور کچھ ہی وقت میں اس کا شک یقین میں بدل جاتا ہے۔ یہ اس کا دوست عارف ماچھی ہی تھا جو اب اللہ بخش مست کا روپ دھارے معصوم لوگوں کو بیوقوف بنا رہا تھا۔ دونوں دوست گلے ملے اور عبدالرحمان باہر نکل کر عارف ماچھی (جو اللہ بخش مست بن چکا تھا) کے قدموں میں گر جاتا ہے، جس سے لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ کہانی بتاتی ہے کہ لوگ عقیدت کا لبادہ اوڑھ کر کس طرح برے لوگوں کو خدا کا نیک برگزیدہ بند تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنی محدود کمائی کا بڑا حصہ ان کی جھولیوں میں ڈال آتے ہیں۔ افسانے سے اقتباس:

> "میں پیر ہوں یاد رکھ، ہنستے ہوئے کہا، ڈاکو کے لیے قانون ہے لیکن خود ساختہ کرامتوں والے فقیر کے لیے کوئی قانون نہیں"[۲]

امر جلیل کا دوسرا افسانہ "فاختہ کا نوحہ" کے عنوان سے شائع ہوا جس کے مترجم وہ خود ہیں۔ یہ ایک علامتی کہانی ہے جہاں چھوٹے بچے اور کچھ جانور سبزی منڈی کے پاس سبزی کے ڈھیر سے اپنا رزق تلاش کر رہے ہوتے ہیs۔ بچے بہت معنی خیز باتیں کرتے ہیں۔ جنگ کی بات کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں جب جنگ شروع ہوتی ہے تو فاختہ کو گولی لگتی ہے۔ پھر ایک بچہ کہتا ہے اس سے ہماری زندگیوں پر کیا فرق پڑتا ہماری تو قسمت یہی گلی سڑی سبزیاں کھانا ہے۔ دراصل یہ بچے تیسری دنیا کے لوگوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ صاحبِ اقتدار طبقہ اپنی ہر پالیسی کے ذریعے اس بات کو ممکن بناتا ہے کہ تیسری دنیا کے لوگ شعور کی اس سطح پر پہنچ ہی نہ پائیں کہ جہاں وہ اپنے حقوق کا ادراک کر سکیں اور اگر کبھی یہ شعور بیدار بھی ہو جائے تو انہیں ایسے نرغے میں ڈال دیا جاتا ہے جہاں وہ دو وقت کی روٹی کی تلاش میں ہار انقلابی سوچ سے قطع تعلق ہو جاتے ہیں۔ تیسری دنیا کی نئی نسل کے ان غریب بچوں کا حال بیان کرتے ہوئے افسانہ نگار لکھتے ہیں:

> "بچے عموماً پانچ چھ برس کی عمر کے ہوتے ہیں لباس تار تار، بال الجھے ہوئے، آنکھیں بجھی ہوئیں، ہونٹ پھٹے ہوئے، ٹوٹے ہوئے شیشوں، کرچیوں اور کنستروں سے کٹے ہوئے پاؤں، ان بچوں کا نام ماضی ہے نہ مستقبل وہ حال کی پیداوار ہیں حال میں زندہ ہیں اور حال ہی میں مر رہے ہیں۔ مگر ان کی باتیں صدیوں پر حاوی ہیں"[۳]

امر جلیل کا تیسرا افسانہ "**سورج نکلنے سے پہلے**" کے عنوان سے اُردو ترجمہ کیا گیا۔ جسے کرن سنگھ نے اُردو قالب میں ڈھالا۔ اس افسانے کا موضوع محنت اور خودداری ہے۔ محنت ہی وہ عظیم طاقت ہے جو انسان کو عزت کی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46
ماخذ تحقیقی مجلہ

زندگی عطا کرتی ہے۔ انسان کا ضمیر زندہ ہو تو وہ اسے برے کام سے روکتا رہتا ہے۔ اس کہانی میں حالات سے مجبور شخص چوری کا راستہ اختیار کرتا ہے ایک شخص اُسے چوری کرتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ چور کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں وہ سب میں یہ بات پھیلا نہ دے۔ وہ قتل کے ارادے سے اس شخص کا پیچھا کرنے لگتا ہے۔ وہ شخص ایک دروازے کے پاس رکتا ہے وہاں سے ایک نابینا کو لے کر چل پڑتا ہے اُسے ایک دکان پر چھوڑتا ہے جہاں وہ نابینا کرسیاں بننے کا کام کرتا ہے۔ چور کچھ دیر مزید اُس کا پیچھا کرتا ہے بالآخر ایک جگہ روک کر پوچھتا ہے تمہارا نام کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے "ضمیر"۔ چور اس خاموش نصیحت سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ چوری چھوڑ کر محنت مزدوری شروع کر دیتا ہے۔

نور الہدیٰ شاہ حیدر آباد پاکستان میں پیدا ہوئیں۔ وہ سندھی اور اردو زبان کی ڈراما نگار، افسانہ نگار اور شاعرہ ہیں۔ اُن کا افسانہ "تنور کی طرح دہکتا ہوا تن" کے عنوان سے ترجمہ کیا گیا جس کے مترجم احمد نصیر ہیں۔ یہ افسانہ مکالماتی انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ دو محبت کرنے والوں کی کہانی جن کی محبت پر مجبوریاں حاوی ہو گئیں۔ زمانے نے اپنی روایات کے مطابق ان دو محبت کرنے والوں کو نہ صرف جدا کر دیا بلکہ سماجی اور معاشی زندگی کے ان پیچ دار راستوں میں اُلجھا دیا کہ جہاں سے گزرتے ہوئے انہیں محبت کی یاد تازہ کرنے کی بھی فرصت نہ ملی۔ ستم یہ کہ اب تو اُنہیں یہ تک یاد نہیں کہ وہ آخری بار کب ملے تھے۔ یہ دونوں کردار اُسی نامیاتی معاشرے کی علامت ہیں جسے مادیت پرست معاشرے میں زبردستی رہنا پڑ رہا ہے اور ان کی اپنی کوئی شناخت باقی نہیں رہی ہے۔ ان پر حالات اس طرح اثر انداز ہوئے ہیں کہ ان دنوں میں احساسات بالکل ہی ماند پڑ گئے ہیں۔ کہانی میں دونوں کرداروں کے درمیان ایسے جملوں کا تبادلہ ہوتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ کافکا کی "کایا کلپ" (Metamorphosis) کی وہ مکڑی بن گئے ہیں جو چاہ کر بھی اپنی اصل ہیئت میں واپس نہیں آسکتے۔ افسانے سے اقتباس:

> "میرے حصے میں زندگی کے سارے فوٹو گرافس کی نیگیٹیو کاپیاں آئی ہیں۔ نیگیٹیو کاپیوں کو روشنی میں پکڑ کر دیکھو تو سارے چہرے کسی ڈائن کا روپ دھار لیتے ہیں۔[۴]

نور الہدیٰ شاہ کا دوسرا افسانہ "منظر" کے عنوان سے احمد نصیر نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ افسانہ وجودی کیفیت میں مبتلا ایک ایسے شخص کی کہانی ہے کہ جس کا دل خوف میں مبتلا ہے۔ اس کے علاقے میں کرفیو لگا ہے اور وہ گھر سے باہر نکلنا چاہتا ہے۔ گھر میں اس کا دم گھٹتا ہے۔ لیکن اسے یہ خوف کھا رہا ہے کہ اگر میں باہر گیا تو مجھے مار دیا جائے گا۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ مجھے اپنے پاس ایک بندوق رکھ لینی چاہیے لیکن تبھی اُسے خیال آتا ہے کہ میری بندوق کی کیا حیثیت ہے وہ لوگ ایک بم پھینک کر میرے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ اُسی وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے کوئی مدد

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے لیے پکارتا ہے، وہ دروازہ کھولنے کو لپکتا ہے جوں ہی وہ دروازہ کھولنے لگتا ہے اُسے خیال آتا ہے کہ اگر دروازہ کھولنے کے جرم میں مجھے ہی مار دیا گیا پھر؟ یہ افسانہ عہد حاضر کے انسان کا المیہ ہے جس کا ہر راستہ خوف اور خدشات سے اٹا پڑا ہے۔ بنا کسی جرم کے مارے جانے کا خوف اعصاب شکن ہے۔

قاضی خادم ۱۹۴۵ کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ معروف مترجم، ادیب اور نقاد ہیں۔ انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے سندھی اور انگریزی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں سندھ یونیورسٹی سے ہی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے بہت سے عالمی افسانوں اور ناولوں کا ترجمہ کیا۔ سعدیہ نسیم نے اُن کا افسانہ "گرمی اور گل مہر" کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ افسانہ تجریدی انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ جہاں ایک لڑکی حیرانی سے گل مہر کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ لوگ دولت کی قدر و قیمت پر بات کرتے ہیں تو کبھی مافوق الفطرت کردار منظر پر آجاتے ہیں۔ ایک شخص اپنی بات کرتا ہے تو دوسرے اپنے شبہات کا اظہار شروع کر دیتے ہیں۔ بھوک پر بات کرتے ہوئے سب کہتے ہیں بھوک انسان کو وحشی جانور بنا دیتی ہے۔ اس طرح مختلف موضوعات پر بحث کے بعد کہانی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ مصنف نے ان واقعات کو اس گنجلک انداز میں پیش کیا ہے کہ اس گتھی کو سلجھانے میں خاصی محنت درکار ہے۔ اس افسانے میں بھوک اور بہت سی معاشرتی برائیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گل مہر کا درخت اس بات کی علامت ہے کہ اگر انسان اپنے اندر خوشی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اُسے باہر کے حالات سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ افسانے سے اقتباس:

> "وہ چاروں طرف سے آتی ہوئی آوازوں سے بور ہو کر جمائیاں لینے لگی اور بغیر کچھ دیکھے کہے باہر نکل گئی۔ میں اٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا وہ برآمدے میں ستون سے ٹیک لگائے گل مہر کے پیڑ کو دیکھنے لگی میں بھی دوسرے ستون سے ٹیک لگا کر گل مہر کو دیکھنے لگتا ہوں، جو سخت گرمی اور حبس کے باوجود چپ چاپ پھولوں سے لدا پھندا کھڑا ہے۔ مسکرا رہا ہے!"(۵)

قاضی خادم کا دوسرا افسانہ "واپسی" کے عنوان سے ترجمہ کیا گیا جس کے مترجم کریم عباسی ہیں۔ نشے کی طرح جوا بھی انسان کے لیے زہر قاتل ثابت ہوتا ہے۔ لالچ انسان سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ یہ شخص پرائمری سکول کا اُستاد ہے جس کی بیوی نے اسے ریڈیو لانے کے لیے ایک ہزار روپیہ دیتی ہے، وہ شخص اس رقم کو جوئے میں ہار گیا پریشانی کی حالات میں گھر لوٹا تو بیوی کو بتایا کہ وہ پیسے مجھ سے کہیں گم ہو گئے ہیں۔ جس پر اُسکی بیوی نے کہا آپ خیریت سے گھر آگئے ہیں یہی بہت ہے۔ میرے پاس کچھ پیسے اور رکھے ہیں اگر ان میں کوئی چھوٹا ریڈیو آجائے تو کل

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46

لیتے آئیے گا۔ اگلے دن وہ گزشتہ جوئے میں ہاری ہوئی رقم کے بارے میں سوچتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنی رقم اتنی آسانی سے نہیں جانے دوں گا اور یہی سوچتے ہوئے دوبارہ جوا کھیلنے چلا جاتا ہے۔ ہارنے والا شخص ہر بار جوئے کی بازی پھر سے لگالیتا ہے کہ وہ اپنے نقصان کو بھی پورا کرے گا اور منافع بھی حاصل کرے گا۔ ہر بار ہارنے پر اس کی خواہش کا اُبال بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنا ہر اثاثہ جوئے میں ہار جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہر طبقہ خواہ وہ امیر ہو یا غریب اس بری لت کا شکار ہے۔ یہ کھیل لالچ کی اس سطح تک لے جاتا ہے کہ ہارنے والوں کے لیے بربادی اور موت کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

شوکت حسین شورو مشہور افسانہ نگار اور ڈراما نگار ہیں۔ وہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۲۱ میں ان کا انتقال ہوا۔ دنیا جس رفتار سے ترقی کرتی جارہی ہے اسی رفتار سے انسان اپنوں سے دور ہوتا جارہا ہے۔ یہی وہ جدیدیت ہے جس نے انسان کی شناخت کو مٹا دیا ہے۔ اپنی ساری زندگی ایمانداری سے گزارنے کے بعد غلام احمد محسوس کرتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ وہ بیمار ہے اور جب رات کو کھانستا ہے تو اس کی بیوی اور بچے بہت غصّہ کرتے ہیں اور جلی کٹی سنانے لگتے ہیں۔ یہ افسانہ مادیت پرستی کے دور میں تنہارہ جانے والے ایک انسان کی کہانی ہے جو زمانے کی روش کے مطابق فقط مال و دولت جمع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور اپنی اس الگ روش کو باعث فخر محسوس کرتا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُسے احساس ہوتا ہے کہ دنیا کے دوسرے لوگوں کی طرح اس کے اپنے بھی اس سے ناخوش ہیں، وہ اپنی غربت اور ناکامی کا ذمہ دار اس شخص کی ایمانداری کو سمجھتے ہیں۔ زندگی کے آخر وقت میں یہ احساس زیاں اُس کو بے بسی اور مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔

افسانے سے اقتباس:

> "وہ بڑی مشکل سے چارپائی اٹھا اور منہ بند کیے آہستہ آہستہ کھانستا ہوا باتھ روم میں داخل ہوا۔ اور پھر جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا وہ دروازے بند کیے ایک ہاتھ سینہ پر اور دوسرا ہاتھ منہ پر رکھے کھانستا رہا۔۔۔۔۔!!"[۶]

شوکت حسین شورو کے دوسرے افسانے کا ترجمہ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی نے "درد کا پاتال کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ افسانہ پاکستانی معاشرے اور بالخصوص سندھی معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ عالمی ترقی کے باوجود ہمارا معاشرہ روایتی اقتدار کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ آج بھی عورت کو اپنی پسند کا شریک حیات چننے کی اجازت نہیں۔ بلکہ یہ سوچ اور یہ جذبہ اُس کی بے رحم موت کی وجہ بن سکتا ہے۔ نسرین اپنے ہم جماعت سے محبت کرنے لگی تھی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46

لیکن خاندان کے نے حد دباؤ کی وجہ سے کبھی کھل کر اظہار نہ کر پائی۔ پڑھائی کے دوران ہی نسرین کا رشتہ اُس کے چچا زاد سے طے کر دیا گیا جو جاگیر دار تھا۔ کچھ وقت کے بعد نسرین کو تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی کیوں کہ اس کے چچا کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ ان کی ہونے والی بہو اُن کے بیٹے سے زیادہ پڑھی لکھی ہو۔ نسرین نے اپنے ہم جماعت سے آخری بار ملنے کا فیصلہ کیا۔ نسرین نے اسے بتایا کہ میں جب پیدا ہوئی تھی اسی وقت میرا رشتہ طے کر دیا گیا تھا، اس لیے پسند نہ پسند کا تو سوال ہی ختم ہو گیا۔ وہ دونوں بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن نسرین حالات سے مجبور واپس چلی جاتی ہے۔ محبت ایک فطری جذبہ ہے جس سے مجبور اکثر لڑکیاں گھر والوں کے فیصلے ماننے پر اور خاموشی سے تمام عمر جذبات کی سولی پر چڑھنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ یہ افسانہ ایسے ہی ایک کردار کی کہانی سناتا ہے۔

علی بابا ۱۹۴۰ میں پیدا ہوئے ان کا اصل نام علی محمد تھا۔ وہ معروف سندھی ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈراما نویس تھے۔ اُن کی وفات ۲۰۱۶ میں ہوئی۔ علی بابا کے افسانے کا ترجمہ "یہ جیون یہ سپنے" کے عنوان سے فہیم شناس کاظمی نے کیا ہے۔ اس افسانے میں انسان کی مجبوریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک آدمی کی مجبوری جسے موت کے بعد عرش عظیم پر تمام سہولیات میسر ہیں لیکن پھر بھی اُسے اپنے بیوی بچوں کی یاد ستاتی ہے۔ وہ بہت بے چین رہتا ہے۔ جب اسے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے معبود مجھے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے لیکن مجھے میری دنیا میں واپس بھیج دے میرا دل یہاں نہیں لگتا۔ جب اسے دنیا میں واپس لے جایا جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ بیوی اس کی یاد میں رو رہی ہوتی ہے۔ اس افسانے میں خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیات ہیں۔ جب اس شخص کو اپنی بیوی سے ملوایا جاتا ہے تو وہ بہت حیران ہوتا ہے۔ یہیں آزمائش کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کے جانا چاہتا ہے، لیکن بیوی جو ماں بھی ہے، اس کی ممتا اسے اتنا مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ دراصل یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس دنیا سے جانے کے بعد انسان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے، موت کے بعد کچھ قریبی لوگ اسے آہوں اور سسکیوں میں یاد رکھتے ہیں۔ وہ آہیں اور سسکیاں بھی وقت کی دھول میں آہستہ آہستہ دھندلا جاتی ہیں اور پس ماندگان رفتہ رفتہ اُس کے بغیر جینا سیکھ لیتے ہیں۔

منظور کھوسو نے "جیون روگ" کے عنوان سے ایک سندھی افسانے کا ترجمہ کیا ہے جس کے مصنف کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اس کہانی میں انسان کی مشکلات اور مجبوریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ دنیا کے مجبور اور مشکلات کے مارے لوگ اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب سے زیادہ مسائل کا شکار ہیں۔ زندگی کی آزمائشوں کا تسلسل اُن پر باقی لوگوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ لیکن جب وہ دوسرے افراد کو قریب سے ملتے اور دیکھتے ہیں تو انہیں اپنی رائے بدلنا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46
ماخذ تحقیقی مجلہ

پڑتی ہے۔ کئی مقامات ان کے دل میں شکر گزاری کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ان سے بدتر حالات کا شکار لوگ بھی زندگی کو بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ افسانہ ایک کلرک کی کہانی جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ایک روز وہ اپنی بیوی سے کچھ پیسے مانگتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے کہ اگر تمہیں پیسے دے دیئے تو مہینے کے اختتام پر کسی نے اُدھار نہیں دینا۔ وہ اپنا ٹائپ رائٹر اٹھاتا ہے اور گھر سے باہر نکل جاتا ہے۔ تاکہ ٹائپ کے ذریعے کچھ رقم بنا سکے، کچھ دیر بعد ایک نوجوان اس کے پاس آتا ہے اور اسے درخواست ٹائپ کرنے کے لیے کہتا ہے۔ وہ بتاتا ہے میری بوڑھی ماں میری نوکری کی خبر سننے کو ترس گئی ہے۔ یہ بھی لکھنا کہ میں نے انٹرویو میں زیادہ نمبر لیے تھے لیکن کسی اور کو سفارش کی بنیاد پر رکھ لیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے ایسی درخواست لکھ دیں کہ منسٹر ترس کھا کر مجھے نوکری پر رکھ لے۔ اُس نے درخواست ٹائپ کر کے نوجوان کے حوالے کی۔ پھر بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی درخواستیں کلرک سے ٹائپ کروائیں، ہر درخواست ایک الگ دکھ بھری کہانی تھی۔ وہ ایک ایک کی روداد سنتا رہا اور ان سب کو مطلوبہ درخواستیں ٹائپ کر کے دیتا رہا اور یوں شام ہو گئی۔ وہ گھر کے لیے روانہ ہوا تو گرجا گھر کے باہر کھڑے فادر نے اسے کہا کہ تم دعا کے لیے نہیں آتے ہو دیکھو تمہارے چہرے پر کس طرح خزاں چھائی ہوئی ہے۔ جس پر اس کلرک نے جواب دیا کہ فادر اگر تم بھی لوگوں کے مسائل سنو جن کی روداد میں نے سنی ہے تو تمہارے چہرے پر بھی خزاں چھا جائے۔ گھر پہنچ کر اس نے پیسے اپنی بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ وہ پوچھنے لگی کہ صبح تو تم مجھ سے پیسے مانگ رہے تھے اب یہ کہاں سے لائے ہو؟ کلرک کہنے لگا لوگوں کے درد لیے تو یہ پیسے ملے۔

کلیم لاشاری کے افسانے کا ترجمہ غلام حسین میمن نے "مریض" کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کہانی کا بنیادی موضوع احساس اور ہمدردی ہے۔ عظیم جو ٹی بی کا مریض ہے وہ اپنے گاؤں سے دور شہر میں ملازمت کی غرض مقیم ہے۔ اُس نے اپنی بیماری کے حوالے سے کسی کو نہیں بتایا۔ وہ تنہا ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرتا رہا۔ تنہائی اور بیماری نے اسے کمزور اور مایوس کر دیا۔ ایک دن اس کا بھائی ڈاکٹری میں داخلہ لینے کی غرض سے اس کے پاس ٹھہرا، رشید سے باہمی گفتگو کے نتیجے میں اسے علم ہوا کہ ٹی بی اب جان لیوا مرض نہیں رہا۔ رشید اس سے معمول کے مطابق پیش آتا ہے۔ عظیم اس رویے سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ اُس میں زندگی جینے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ اب وہ ہر چیز میں دل چسپی لینے لگتا ہے اور ایک نئے جذبے کے ساتھ زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ افسانے سے اقتباس:

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-46

"رشید اس سے باتیں کرتا رہا اس کی قربت کی وجہ سے عظیم میں حوصلہ پیدا ہوا اس کا دل بھر آیا کہ وہ ٹی بی کا مریض ہے مگر پھر بھی رشید اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے بستر پر سو رہا ہے"(۷)

حوالہ جات

۱: جیلانی کامران، "ترجمے کی ضرورت"، مشمولہ ترجمہ روایت اور فن، مرتبہ نثار احمد قریشی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵، ص:۲۶

۲: سراج چنا، اروڑ کامست، مشمولہ ماہ نو، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۹۱، لاہور، ص:۸۲

۳: امر جلیل، "فاختہ کا نوحہ" مشمولہ ماہ نو، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۹۱، لاہور، ص ۷۶

۴: احمد نصیر، "تنور کی طرح دہکتا ہوا تن"، مشمولہ ماہ نو، شمارہ ۲، فروری ۱۹۹۱، لاہور، ص:۷۹

۵: ڈاکٹر سعدیہ نسیم، "گرمی اور گل مہر"، مشمولہ ماہ نو، ستمبر ۱۹۹۱، لاہور، ص ۷۸

۶: سلیم انوار، "اجنبی آدمی" مشمولہ ماہ نو، شمارہ ۶، جون ۱۹۹۴، لاہور، ص ۹۰

۷: غلام حسین میمن، "مریض"، مشمولہ ماہ نو، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۰۰، لاہور، ص:۸۳